ADVANCE SOCIAL SCIENCE ARCHIVE JOURNAL
Available Online: https://assajournal.com
Vol. 04 No. 01. July-September 2025.Page#.2638-2652
Print ISSN: 3006-2497 Online ISSN: 3006-2500
Platform & Workflow by: Open Journal Systems

Analytical Study of the Reasons for Differences Among Leaders in Contemporary Political Disagreements in the Light of the Qur'an and Sunnah

مروجہ سیاسی اختلافات میں رہنماؤں میں اختلاف کی وجوہات قرآن وسنت کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ

Uzma Bibi
M.Phil. scholar, Department of Islamic Studies, HITEC University, Texla
uzmaaliyar143@gmail.com
Dr. Rab Nawaz
Associate professor/Chairman, Department of Islamic Studies, HITEC University Taxila Cantt, Pakistan
rab.nawaz@hitecuni.edu.pk or qarirabnawaz@gmail.com

Abstract
This paper gives a critical examination of the origins of disparities amongst the leaders in modern political conflicts in the context of the Quran and Sunnah. Political battles are not only the result of ideological difference but they are greatly affected by individual interests, institutional set-ups, social-economic interests, and pressure of the people. The paper has identified that most of the leaders are more concerned about their individual and group interests at the expense of the national good leading to segregation, suspicion and wars. In the Quran, consultation (shura), justice, and unity have been emphasized, and as an additional value, tolerance, humility, and collective decision-making can be seen in the Sunnah by means of practical examples. Nevertheless, the contemporary political sphere proves the absence of compliance with these principles, as media and, especially, social media can only exacerbate the conflict instead of resolving it. The study explores several aspects of political disputes and includes such aspects as ideology, personal reasons, organizational and party systems, socio-economic and interest factors, media and social pressure. Classical Islamic thought is used in the reference of Imam al-Mawardi, Imam Ibn Khaldun, Imam Ghazali, Imam Shafi an work, and Ibn Qayyim al-Jawziyya in order to gain a comparison of Islamic directions to modern realities. Their reflections also note that conflict is the reality of the human society and has to be dealt with wisdom, justice as well as respect. Moreover, the article holds the position that disagreement managed by way of consultation, knowledge and sincerity can result in growth, reform and unity. On the other hand, when their intentions are egoistic, unjust or politically engineered, they divide and weaken the government. These results highlight the fact that contemporary political leadership must invoke Islamic moral concepts of consultation, accountability and collective good to eliminate the destructive conflicts. Incorporation of Quranic injunctions and prophetic practices in the political behavior will enable leaders to change the differences into constructive dialogue that will advance national and collective interests. The approach is analytical and can be used in the academic discourse on Islamic political thought, and to provide practical solutions on how to go about leadership wrangles in the contemporary societies.

Keywords: *Political disagreements**,** Leadership conflicts**,** Qur'an and Sunnah**,** Consultation (Shura)**,** Organizational structures**,** Socio-economic interests**,** Islamic political thought*

تمہید:

رہنماؤں کے درمیان اختلافات کا آغاز ذاتی مفادات، اقتدار کی کشمکش، اور نظریاتی ہم آہنگی کے فقدان سے ہوتا ہے۔ اکثر سیاسی قائدین اپنے گروہی، جماعتی یا ذاتی مفادات کو قومی مفاد پر ترجیح دیتے ہیں، جس سے سیاسی ماحول میں تصادم اور تفرقہ پیدا ہوتا ہے۔ رہنما عوامی جذبات کو استعمال کرتے ہوئے مخالفین کے خلاف سخت زبان استعمال کرتے ہیں، جس سے نہ صرف سیاسی کلچر خراب ہوتا ہے بلکہ اختلاف دشمنی میں بدل جاتا ہے۔ سیاسی مفاہمت کی کمی اور باہمی اعتماد کا فقدان ان اختلافات کو مزید بڑھاتا ہے۔ میڈیا اور سوشل میڈیا کا غیر متوازن کردار بھی رہنماؤں کے اختلافات کو ہوا دیتا ہے، جہاں ہر رہنما اپنی بیانیہ کو غالب کرنے کے لیے دوسروں کو کمزور اور بدنام کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

علاوہ ازیں، بہت سے رہنما تنقید برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، جس سے نظریاتی مباحث بھی ذاتیات کا رنگ اختیار کر لیتے ہیں۔ مشاورت، تدبر، اور دلیل کی بجائے جارحیت اور انا پرستی سیاسی قیادت کا مزاج بن چکی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قومی سطح پر قیادت متحد ہونے کے بجائے منقسم اور باہم دست و گریباں دکھائی دیتی ہے، جس کا نقصان بالآخر عوام اور ریاستی نظام کو ہوتا ہے۔

مبحث اول: نظریاتی وجوہات

رہنماؤں کے مابین اختلافات کی ایک بڑی اور بنیادی وجہ نظریاتی فرق ہوتا ہے۔ ہر رہنما یا جماعت کے پیچھے ایک مخصوص فکری بنیاد یا نظریہ ہوتا ہے، جو ان کی سیاسی، مذہبی، یا سماجی سوچ کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہی نظریہ ان کے فیصلوں، بیانیے اور پالیسیوں کی سمت متعین کرتا ہے۔ جب مختلف رہنما یا جماعتیں ایک ہی سیاسی یا مذہبی میدان میں کام کر رہی ہوں، مگر ان کے نظریات الگ الگ ہوں تو اختلاف پیدا ہونا فطری ہوتا ہے۔ اگر یہ اختلاف علمی، اصولی، اور تعمیری ہو تو قوم کی فکری ترقی کا باعث بنتا ہے۔ لیکن اگر یہی اختلافات تعصب، ضد، اور ذاتی مفادات کا رنگ اختیار کر لیں، تو یہ باہمی ٹکراؤ، فرقہ واریت، اور انتشار کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔

1: مذہبی یا سیاسی نظریات کا فرق

رہنماؤں کے درمیان اختلافات کا ایک اہم سبب ان کے مذہبی یا سیاسی نظریات میں اختلاف ہوتا ہے۔ ہر رہنما یا جماعت کا ایک مخصوص نظریہ، فکر یا مکتبِ فکر ہوتا ہے، جس کی بنیاد پر وہ مسائل کو دیکھتے، سمجھتے اور حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی نظریاتی بنیادیں بعض اوقات اختلافات کا رخ تفرقے اور ٹکراؤ کی طرف موڑ دیتی ہیں، خصوصاً جب برداشت، مکالمہ اور احترام کی فضا موجود نہ ہو۔

رہنماؤں کے درمیان مذہبی اور سیاسی نظریات کے اختلافات اکثر بنیادی وجہ ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: " وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ"[1]

ترجمہ: اور اگر تیرا رب چاہتا تو سب لوگوں کو ایک رستہ پر ڈال دیتا، اور ہمیشہ اختلاف میں رہیں گے۔

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ اختلافات انسانی فطرت کا حصہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو فہم، عقل، اور رائے کی آزادی دی ہے، جس کے نتیجے میں نظریاتی، مذہبی اور سیاسی اختلافات ایک قدرتی امر بن گئے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اختلاف برائی ہے، بلکہ اس کو منفی رخ دینے سے فساد پیدا ہوتا ہے۔

امام ابن حزم اپنی کتاب "الفصل فی الملل والنحل" میں لکھتے ہیں: "مذہبی نظریات کا اختلاف علمی بحث کا تقاضا کرتا ہے، نہ کہ تصادم کا"۔ [2]

ابن حزم کے نزدیک عقائد اور نظریات میں اختلاف ہونا ایک علمی معاملہ ہے، جو دلیل، تحقیق اور تدبر سے حل کیا جانا چاہیے۔ اگر ان اختلافات کو ذاتیات یا تعصب کا رنگ دے دیا جائے، تو یہ فتنے اور فساد کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔

امام غزالی نے "احیاء علوم الدین" میں لکھا: "سیاسی نظریات کے اختلاف کو مثبت انداز میں حل کرنا حکمرانی کا حصہ ہے"[3]۔

سیاسی اختلافات حکمرانی کے سفر میں ناگزیر ہوتے ہیں، لیکن ایک بالغ نظر اور بصیرت رکھنے والا حکمران وہی ہوتا ہے جو ان اختلافات کو فتنہ یا تصادم کی بنیاد بنانے کے بجائے، گفتگو، مشاورت، اور عدل و حکمت کے ذریعے سلجھائے۔ اصل قیادت وہی ہے جو مخالف رائے کو دبانے کے بجائے سننے، سمجھنے اور اس سے سیکھنے کی اہلیت رکھتی ہو۔ اختلاف کا وجود دبگاڑ نہیں، اگر اس سے معاشرتی بہتری اور نظام میں توازن پیدا کیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " اخْتِلَافُ أُمَّتِي رَحْمَةٌ"[4]

یہ قول اگرچہ سخت اصولی طور پر صحیح سند سے ثابت نہیں، لیکن اس کا مفہوم اسلامی علمی روایت میں مستند مانا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مختلف آراء کا وجود اجتہادی آزادی، فکری وسعت، اور وسعتِ نظر کی علامت ہے۔ اس اختلاف کو اگر رواداری کے ساتھ لیا جائے تو یہ باعثِ رحمت بن سکتا ہے۔

امام ابن تیمیہ اپنی کتاب "منہاج السنہ" میں لکھتے ہیں: " نظریاتی اختلافات کو دشمنی میں بدلنا اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے"[5]۔

ابن تیمیہ کے مطابق نظریاتی یا عقلی اختلاف کو اگر بغض، تعصب، یا شخصی دشمنی میں بدل دیا جائے تو یہ دین کی روح کے منافی ہے۔ ان کے نزدیک اصل مطلوبہ طرزِ عمل یہ ہے کہ علمی دلائل کے ساتھ گفتگو ہو، اور اختلاف کو برداشت کیا جائے۔

2: **ملک و قوم کی فلاح کے مختلف تصورات**

رہنماؤں کے درمیان اختلافات کی ایک اہم نظریاتی وجہ "ملک و قوم کی فلاح کے مختلف تصورات" ہیں۔ ہر رہنما اپنے فہم، علمی پس منظر، سیاسی تجربے اور فکری نظریے کی بنیاد پر قومی فلاح کو مختلف انداز سے دیکھتا ہے۔ بعض کے نزدیک معاشی ترقی سب سے اہم ہے، بعض کے نزدیک عدل و انصاف کا قیام، اور بعض مذہبی و اخلاقی اقدار کی سربلندی کو قوم کی حقیقی فلاح سمجھتے ہیں۔ ان مختلف تصورات کا ہونا فطری امر ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ "[6]

ترجمہ: اور آپس میں نیک کام اور پرہیزگاری پر مدد کرو۔

یہ آیت اس بات کو اجاگر کرتی ہے کہ مختلف نظریات رکھنے کے باوجود، جب مقصد بھلائی ہو تو باہمی تعاون ضروری ہے۔ رہنماؤں کو چاہیے کہ وہ اپنے ذاتی تصورات کو اجتماعی مفاد کے تحت قربان کرتے ہوئے نیکی اور تقویٰ پر مبنی نظام کے قیام کے لیے متحد ہوں۔

امام ماوردی اپنی کتاب "الاحکام السلطانیہ" میں لکھتے ہیں: "قومی فلاح کے مختلف تصورات کو مشاورت سے حل کرنا چاہیے "[7]۔

یہ قول اسلامی نظامِ حکومت کے اہم اصول پر روشنی ڈالتا ہے، کہ اگر حکمران یا رہنما مختلف زاویۂ نگاہ رکھتے ہوں تو ان کا حل مشورے سے نکالا جائے، نہ کہ تصادم سے۔ مشاورت، اختلاف کو وحدت میں بدلنے کا راستہ ہے۔

امام ابن خلدون نے "مقدمہ" میں لکھا: "قومی ترقی کے مختلف تصورات کو یکجا کرنا حکمرانی کی کمال ہے " [8]۔

ابن خلدون کا یہ قول اس بات کو واضح کرتا ہے کہ کامیاب حکمرانی کا مطلب صرف نظم قائم کرنا نہیں بلکہ مختلف فکری دھاروں کو اکٹھا کر کے ایک ہم آہنگ پالیسی ترتیب دینا ہے، جو ہر طبقے کو نمائندگی دے اور قوم کو ترقی کی طرف لے جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ"[9]

یہ حدیث رہنماؤں کو یاد دلاتی ہے کہ قیادت ایک امانت ہے، نہ کہ کوئی مراعات یافتہ مقام۔ اس کا مقصد صرف اقتدار نہیں بلکہ لوگوں کی اصلاح، بھلائی، اور خدمت ہے۔ قیادت کی اصل کامیابی تب ہے جب وہ اپنی رعایا کے لیے جوابدہی کا شعور رکھے، اور ہر فیصلہ اللہ کی رضا اور عوام کی بھلائی کو سامنے رکھ کر کرے۔

امام شافعی اپنی کتاب "الرسالہ" میں لکھتے ہیں: "قومی فلاح کے تصورات میں اختلاف کو علمی بنیادوں پر حل کرنا چاہیے "[10]۔

یہ قول رہنمائی کرتا ہے کہ فلاح کے بارے میں اختلافات جذبات، شخصیات یا پارٹی بنیادوں پر نہیں، بلکہ تحقیق، دلیل اور شریعت کی روشنی میں حل کیے جائیں تاکہ کوئی بھی فیصلہ جذباتی یا وقتی نہ ہو بلکہ دیرپا فائدہ دے۔

3: **قانون سازی اور پالیسی سازی میں اختلاف**

قانون سازی اور پالیسی سازی میں اختلاف ایک فطری اور ناگزیر امر ہے، خاص طور پر جب معاشرہ متنوع خیالات، طبقات اور ضروریات پر مشتمل ہو۔ رہنماؤں کے درمیان ان معاملات میں اختلافات اکثر اس وجہ سے ہوتے ہیں کہ ہر شخص اپنی فہم، تجربے، اور ترجیحات کی بنیاد پر بہتر حل تجویز کرتا ہے۔ مگر اسلامی تعلیمات اس بات کی رہنمائی فراہم کرتی ہیں کہ ایسے اختلافات کو **مشاورت، عدل، اور حسن تدبیر** سے حل کیا جائے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

" وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ "[11]

ترجمہ: اور کام میں ان سے مشورہ لیا کرو۔

قرآن مجید کی یہ آیت اسلامی سیاست اور حکمرانی کی بنیاد فراہم کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی ﷺ کو بھی حکم دیا کہ لوگوں سے مشورہ کریں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو وہ نظام پسند ہے جس میں آمرانہ طرز کے بجائے مشاورت اور رائے کا تبادلہ ہو۔ قانون سازی جیسے نازک عمل میں، جہاں قوم کی تقدیر کے فیصلے کیے جاتے ہیں، وہاں مشورہ نہ صرف ایک اخلاقی تقاضا ہے بلکہ شرعی ضرورت بھی ہے۔ اختلافات اس وقت فساد کا باعث بنتے ہیں جب انہیں مشاورت اور حکمت سے نہیں سنبھالا جاتا۔ لیکن اگر ہر رائے کو سنا جائے، ہر پہلو کو پرکھا جائے، تو اختلاف ایک طاقت میں بدل سکتا ہے۔

امام طبری اپنی تفسیر "جامع البیان" میں لکھتے ہیں: " قانون سازی میں اختلافات کو علمی بنیادوں پر حل کرنا چاہیے "[12]۔

اس قول کا مطلب یہ ہے کہ جب مختلف اہل علم، مصلحین اور قائدین کسی قومی مسئلے پر اپنی اپنی علمی بصیرت سے بات کرتے ہیں، تو ان کے درمیان مختلف آرا پیدا ہونا لازم ہے۔ تاہم، یہ اختلاف اس وقت مفید بن جاتا ہے جب اس میں تعصب نہ ہو بلکہ دلیل، علم اور اجتہاد کی بنیاد پر ہو۔ امام طبری اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اسلامی معاشرے میں علمی بنیادوں پر مبنی اختلاف باعث برکت ہوتا ہے، بشرطیکہ اسے سلیقے اور انصاف سے حل کیا جائے۔

امام نووی نے "ریاض الصالحین" میں لکھا: "پالیسی سازی میں اختلافات کو مثبت انداز میں حل کرنا حکمرانی کا کمال ہے"[13]۔

اس قول کا مطلب یہ ہے کہ ہر رہنما کا وژن، تجربہ اور علم الگ ہو سکتا ہے، اس لیے جب وہ کوئی نئی پالیسی تجویز کرتا ہے تو اس میں اختلاف ہونا فطری ہے۔ لیکن اگر رہنما اس اختلاف کو انا کا مسئلہ نہ بنائے اور اسے تحمل سے سنے، تو یہی اختلاف بہتر پالیسی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ امام نووی کے مطابق، اعلیٰ قیادت کا جوہر یہ ہے کہ وہ اختلاف کو دشمنی میں نہ بدلے بلکہ اس سے اصلاح اور بہتری کا موقع پیدا کرے۔

امام ابن قیم الجوزیہ اپنی کتاب "الطرق الحکمیہ" میں لکھتے ہیں: "قانون سازی میں اختلافات کو قومی مفاد کی بنیاد پر حل کرنا چاہیے"[14]۔

امام ابن قیمؒ اپنی کتاب "الطرق الحکمیہ" میں فرماتے ہیں کہ قانون سازی میں اختلافات کو قومی مفاد، عدل اور دانش مندی کی بنیاد پر حل کرنا چاہیے۔ ان کے نزدیک شریعت کا مقصود صرف عبادات نہیں بلکہ اجتماعی زندگی میں فلاح، عدل، اور امن کا قیام بھی ہے۔ اگر کوئی قانون کسی جماعت یا طبقے کو فائدہ دے مگر مجموعی قوم کو نقصان، تو ایسا قانون اسلامی روح کے خلاف ہے۔ اس لیے اختلافات کے وقت قائدین کو چاہیے کہ وہ ذاتی مفاد، گروہی تعصب یا سیاسی دباو کے بجائے، صرف قومی مفاد کو مد نظر رکھ کر فیصلے کریں۔ یہی قیادت کی کامیابی ہے۔

مبحث دوم: ذاتی و شخصی وجوہات

ذاتی و شخصی وجوہات اگرچہ بظاہر فرد تک محدود دکھائی دیتی ہیں، لیکن ان کا نقصان اجتماعی سطح پر ہوتا ہے۔ سیاست میں جب اصولوں کے بجائے ذاتی مفادات، انا، حسد یا پرانی رنجشیں غالب آ جائیں، تو اختلافات دشمنی، سازش اور انتقام میں بدل جاتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات ہمیں اخلاص، دیانت، مشورہ، اور اجتماعی فلاح کو ترجیح دینے کی تلقین کرتی ہیں۔ اس لیے ایک صالح اور پرامن سیاسی ماحول کے لیے ضروری ہے کہ ذاتی محرکات کو پس پشت ڈال کر اصولی، اخلاقی اور عوامی بنیادوں پر فیصلے کیے جائیں۔

1: ذاتی مفادات اور عزائم

رہنماؤں کے درمیان اختلافات کی ایک بڑی وجہ ذاتی مفادات اور انفرادی عزائم ہوتے ہیں۔ جب سیاسی رہنما قوم و ملت کی فلاح کے بجائے اپنے ذاتی فائدے، اقتدار کی خواہش، خاندانی یا گروہی مفادات کو مقدم رکھتے ہیں، تو وہ دوسروں کے ساتھ باہمی مشاورت اور قومی وحدت کے بجائے ٹکراو، سازش اور نفرت کا راستہ اپناتے ہیں۔ ذاتی مفادات نظریاتی اصولوں، اخلاقی تقاضوں اور اجتماعی فلاح کے تقاضوں کو پس پشت ڈال دیتے ہیں، اور یوں سیاسی منظرنامے پر تفرقہ، الزام تراشی، اور نفرت انگیزی عام ہو جاتی ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے: " وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ"[15]

ترجمہ" :اور آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ۔"

یہ آیت اس بات پر زور دیتی ہے کہ ذاتی مفاد کی خاطر حرام طریقے سے مال یا اقتدار حاصل کرنا شرعی طور پر ممنوع ہے۔ جب سیاسی رہنما عوامی وسائل کو ذاتی مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں یا اختیارات کو ناجائز استعمال کے ذریعے اپنے مفاد کے لیے بروئے کار لاتے ہیں، تو وہ نہ صرف شرعی حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں بلکہ قوم کو تقسیم کا شکار بھی بناتے ہیں۔

امام ابن حزم اپنی کتاب "الفصل فی الملل والنحل" میں لکھتے ہیں: "ذاتی مفادات کی خاطر سیاسی اختلافات پیدا کرنا خیانت کے مترادف ہے"[16]۔

امام ابن حزم اس بات کی صراحت کرتے ہیں کہ جب کوئی رہنما قومی یکجہتی کو پس پشت ڈال کر ذاتی مفاد یا طاقت کے حصول کے لیے انتشار پیدا کرتا ہے، تو وہ گویا قوم کے اعتماد کو دھوکہ دیتا ہے۔ یہ خیانت صرف سیاسی نہیں بلکہ دینی بھی ہے، کیونکہ اس سے امت کی وحدت کو نقصان پہنچتا ہے۔

امام غزالی نے "احیاء علوم الدین" میں لکھا: "سیاست میں ذاتی مفادات کو اجتماعی مصلحت پر ترجیح دینا ظلم ہے"[17]۔

امام غزالی اس نکتے پر زور دیتے ہیں کہ قیادت ایک امانت ہے، اور اگر کوئی شخص اپنے ذاتی نفع کے لیے قومی مفاد قربان کرتا ہے تو وہ ظلم کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس ظلم کا اثر صرف ایک فرد یا جماعت پر نہیں بلکہ پورے معاشرے پر پڑتا ہے، جس کے نتیجے میں بداعتمادی، بدامنی اور اخلاقی زوال جنم لیتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّي"[18]

ترجمہ" : جس نے دھوکہ دیا، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"

یہ حدیث اس بات پر زور دیتی ہے کہ دھوکہ دہی خواہ ذاتی مفاد کی خاطر ہو یا سیاسی، اسلام میں قطعی طور پر ناقابلِ قبول ہے۔ اگر کوئی سیاسی رہنما ذاتی مفادات کی خاطر جھوٹ، فریب یا سازش سے دوسروں کو گمراہ کرے یا نقصان پہنچائے تو وہ نبی کریم ﷺ کی امت کے اس اعلیٰ کردار سے خارج ہو جاتا ہے جس کی بنیاد دیانت، شفافیت اور خیر خواہی پر ہے۔

امام ابن تیمیہ اپنی کتاب "منہاج السنہ" میں لکھتے ہیں: "ذاتی مفادات کے لیے سیاسی اختلافات پیدا کرنا امت کے اتحاد کے لیے خطرہ ہے"[19]۔

امام ابن تیمیہ سیاسی اختلافات کے اس پہلو کو نمایاں کرتے ہیں جو امت کے اجتماعی وجود کو توڑنے کا باعث بنتا ہے۔ جب اختلاف کا محرک ذاتی مفاد ہوتا ہے تو اس سے معاشرہ گروہوں میں بٹ جاتا ہے، اور وحدت کی جگہ نفرت و دشمنی لے لیتی ہے، جو کہ کسی بھی ملت کی تباہی کا پیش خیمہ ہے۔

2: قیادت کی خواہش اور انا پرستی

قیادت کی خواہش اور انا پرستی بھی سیاسی اختلافات کی اہم وجہ ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

" تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا"[20]

ترجمہ: یہ آخرت کا گھر ہم انہیں کو دیتے ہیں جو ملک میں ظلم اور فساد کا ارادہ نہیں رکھتے۔

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ قیادت، برتری یا دنیاوی بڑائی کے حصول کا ذریعہ نہیں ہونی چاہیے، بلکہ اس کا مقصد اصلاح، عدل اور دیانتداری پر مبنی ہونا چاہیے۔ جو شخص قیادت کو غرور، برتری یا اقتدار کی علامت سمجھ کر حاصل کرنا چاہتا ہے، وہ دراصل اسلامی اصولِ قیادت کے منافی رویہ اپنا رہا ہے۔

امام ماوردی اپنی کتاب "الاحکام السلطانیہ" میں لکھتے ہیں: "انا پرستی سیاسی اختلافات کو جنم دیتی ہے"[21]۔

امام ماوردی کے نزدیک سیاسی قیادت کی کامیابی کا انحصار مشاورت، انکساری اور اجتماعی مفاد کے تحفظ پر ہے، نہ کہ ذاتی انا، خود نمائی یا طاقت کے مظاہرے پر۔ جب کوئی فرد اپنی ذات کو مقدم سمجھنے لگے، تو وہ دوسرے آراء کو رد کر کے صرف اپنے فیصلے کو حتمی سمجھتا ہے، جو بالآخر تنازع، گروہ بندی اور ٹکراؤ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

امام ابن خلدون نے "مقدمہ" میں لکھا: "قیادت کی خواہش اکثر سیاسی انتشار کا باعث بنتی ہے"[22]۔

اس قول کا مطلب یہ ہے کہ قیادت کی اصل روح عوامی فلاح و اصلاح ہے، لیکن جب یہ مقام ذاتی شہرت، تسلط یا اقتدار کی ہوس بن جائے تو جماعتیں، ادارے اور قومیں تقسیم در تقسیم کا شکار ہو جاتی ہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ ایسی خواہش معاشرے میں باہمی اعتماد کو ختم کر دیتی ہے اور لوگوں کے دلوں میں انتشار، حسد اور دشمنی کو جنم دیتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " إِنَّ اللَّهَ أَوْحَى إِلَيَّ أَنْ تَوَاضَعُوا حَتَّى لَا يَفْخَرَ أَحَدٌ عَلَى أَحَدٍ"[23]

ترجمہ ": اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی فرمائی کہ تم عاجزی اختیار کرو یہاں تک کہ کوئی کسی پر فخر نہ کرے۔"

یہ حدیث انا پرستی اور غرور کی مکمل نفی کرتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے قیادت کا معیار تواضع، انکساری اور قربانی کو قرار دیا، جبکہ آج کے سیاسی ماحول میں قیادت کے خواہشمند اکثر تکبر، ضد، اور خود پرستی کے جذبات کا شکار ہوتے ہیں، جو آپس میں اختلافات، الزامات اور نفرت کی فضا کو بڑھا دیتے ہیں۔

امام شافعی اپنی کتاب "الرسالہ" میں لکھتے ہیں: "انا پرستی علمی اختلافات کو سیاسی تصادم میں بدل دیتی ہے"[24]۔

اس کا مطلب ہے کہ علمی اور اصولی بنیادوں پر اختلاف ہونا فطری بات ہے، لیکن جب وہ اختلافات ذاتی انا اور برتری کے جذبے سے بھرے ہوں تو وہ بحث و تحقیق کے بجائے فریقین کے درمیان شدید تصادم کا سبب بنتے ہیں۔ ایسا رویہ سیاست کے دائرے میں فتنہ و فساد اور جماعتوں کی ٹوٹ پھوٹ کا سبب بنتا ہے۔

3: ماضی کی رنجشیں اور شخصیت پرستی

ماضی کی رنجشیں اور شخصیت پرستی بھی سیاسی اختلافات کو ہوا دیتی ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

" وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ"[25]

ترجمہ: اور انہیں معاف کرنا اور درگذر کرنا چاہیے، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے۔

یہ آیت ماضی کی رنجشوں اور دل کی کدورتوں کو ختم کرنے کی تعلیم دیتی ہے۔ مگر مروجہ سیاست میں دیکھا جاتا ہے کہ رہنما ماضی کے اختلافات، سیاسی شکست، یا ذاتی تلخیوں کو اپنے دل و دماغ میں لیے رکھتے ہیں، جس کی بنیاد پر وہ ایک دوسرے کے خلاف محاذ کھڑا کرتے ہیں۔ یہ رویہ نہ صرف سیاسی مکالمے کو متاثر کرتا ہے بلکہ ملکی فضا کو بھی کشیدہ کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ تعلیم کہ "درگزر کرو"، دراصل سیاست میں بھی تحمل اور وسعتِ ظرف کا تقاضا ہے، تاکہ پرانے اختلافات کو پیچھے چھوڑ کر مستقبل کی بہتری کے لیے مل کر کام کیا جا سکے۔

امام طبری اپنی تفسیر "جامع البیان" میں لکھتے ہیں: "ماضی کی رنجشیں سیاسی عمل کو متاثر کرتی ہیں"[26]۔

ان کے مطابق اگر پرانے تنازعات، ذاتی بدگمانیاں یا سابقہ تلخ تجربات کو سیاسی فیصلوں یا تعلقات پر حاوی کر لیا جائے تو اجتماعی فلاح اور قومی ترقی کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ مروجہ سیاست میں اکثر رہنما مخالفین سے صرف اس وجہ سے اتحاد یا مشورہ نہیں کرتے کہ ان کے درمیان کبھی ماضی میں تلخی رہی ہو، چاہے وہ شخص حال میں بہترین تجویز دے رہا ہو۔ اس طرزِ عمل سے نہ صرف قومی سطح پر فیصلہ سازی کمزور ہوتی ہے بلکہ سیاسی نظام انتقامی مزاج کا شکار ہو جاتا ہے۔

امام نووی نے "ریاض الصالحین" میں لکھا: "شخصیت پرستی سیاسی نظام کو کمزور کرتی ہے"[27]۔

امام نووی کے اس قول کی روشنی میں، جب لوگ یا جماعتیں کسی ایک شخصیت کو بلا تنقید مثالی تصور کر کے اس کے ہر قول و فعل کو حق مان لیتی ہیں، تو وہ علمی و عملی توازن کھو بیٹھتی ہیں۔ شخصیت پرستی کی وجہ سے نااہل قیادت بھی مسلسل طاقت میں رہتی ہے، اور بہتر صلاحیتوں کے حامل افراد کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ مروجہ سیاست میں یہ مرض عام ہے کہ لوگ نظریات سے زیادہ چہروں کے اسیر ہوتے ہیں، جس سے ادارہ جاتی استحکام، شفافیت اور جوابدہی کا نظام متاثر ہوتا ہے۔ شخصیات سے وفاداری کے جذبے میں بعض اوقات اصول قربان کر دیے جاتے ہیں، جو سیاسی انحطاط کا سبب بنتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " لَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَدَابَرُوا"[28]

ترجمہ: آپس میں بغض نہ رکھو، حسد نہ کرو، پیٹھ پیچھے کسی کی برائی نہ کرو۔

یہ جامع حدیث سیاسی میدان کے لیے نہایت اہم پیغام رکھتی ہے۔ سیاست میں بھی اگر رہنما اور کارکنان ایک دوسرے سے حسد، کینہ اور دشمنی پال لیں، تو قوم متحد نہیں رہتی، بلکہ گروہ بندی، فتنہ اور محاذ آرائی جنم لیتی ہے۔ مروجہ سیاست میں یہ المیہ واضح نظر آتا ہے کہ سیاسی رہنما ایک دوسرے کی کامیابی سے خوش نہیں ہوتے، اور ان کے ذاتی بغض قومی سطح پر رکاوٹ بنتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی اس تعلیم کی روشنی میں سیاستدانوں کو درگزر، تعاون، اور باہمی احترام کا مظاہرہ کرنا چاہیے، تاکہ قومی نظام مضبوط ہو۔

امام ابن قیّم الجوزیہ اپنی کتاب "الطرق الحکمیہ" میں لکھتے ہیں: "شخصیت پرستی سیاسی اختلافات کو بڑھاوا دیتی ہے"[29]۔

امام ابن قیم کی اس بصیرت انگیز رائے کے مطابق، جب لوگ شخصیتوں کو اصولوں پر مقدم رکھتے ہیں، تو اختلافات ذاتی وابستگیوں کی بنیاد پر گہرے ہو جاتے ہیں۔ مروجہ سیاست میں جب کوئی رہنما تنقید کا نشانہ بنتا ہے، تو اس کے حامی بغیر تحقیق یا دلیل کے اس کا دفاع کرتے ہیں، اور مخالفین محض نفرت کی بنیاد پر اس کی ہر بات کو مسترد کرتے ہیں۔ یوں سیاسی گفتگو دلیل کے بجائے تعصب، محبت یا نفرت کی بنیاد پر چلتی ہے، جو انتشار کا باعث بنتی ہے۔ امام ابن قیم کی بات ہمیں دعوت دیتی ہے کہ شخصیات کی پرستش کے بجائے اصولوں، نظریات اور اجتماعی مفادات کو فوقیت دی جائے۔

مبحث سوم: جماعتی و تنظیمی وجوہات

روجہ سیاست میں رہنماؤں کے درمیان اختلافات کی ایک بڑی اور پیچیدہ وجہ جماعتی و تنظیمی سطح پر پیدا ہونے والے مسائل ہیں۔ سیاسی جماعتیں مختلف الخیال افراد کا مجموعہ ہوتی ہیں، جنہیں ایک منظم ڈھانچے اور واضح اصولوں کے ذریعے ایک رخ پر لانا ضروری ہوتا ہے۔ جب جماعت کے اندر **پالیسیوں کی ترتیب، عہدوں کی تقسیم، اختیارات کی حدود، اور فیصلہ سازی کے نظام** پر مکمل اتفاق نہ ہو، تو یہ اختلافات شدید تنازعات میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ بعض اوقات یہ تنازعات ذاتی مفادات کے ساتھ جُڑ کر جماعت کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیتے ہیں۔

1: پارٹی پالیسی میں اختلاف

سیاسی جماعتوں میں جب رہنماؤں کے درمیان جماعتی پالیسی، نظریہ، یا حکمت عملی پر اختلاف پیدا ہوتا ہے تو وہ اکثر ذاتی مخالفت، بدگمانی اور تنظیمی تقسیم کا سبب بنتا ہے۔ کچھ رہنما پالیسیوں کو سخت گیر نظریاتی بنیادوں پر دیکھتے ہیں، جب کہ بعض دیگر عملی یا عوامی مفاد کے لحاظ سے انہیں لچکدار رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ نظریاتی اور عملی تناؤ جماعتی ہم آہنگی کو متاثر کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

" وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ"[30]

ترجمہ: اور ان کا کام باہمی مشورے سے ہوتا ہے۔

یہ آیت اسلامی سیاسی نظام کی بنیادی روح کو ظاہر کرتی ہے، کہ مسلمانوں کے باہمی معاملات مشورے سے طے کیے جائیں۔

رہنماؤں کے درمیان پارٹی پالیسی پر اختلافات اکثر اس وقت جنم لیتے ہیں جب فیصلے شخصی یا آمرانہ انداز میں کیے جاتے ہیں۔ جب مشاورت کا عمل نظر انداز ہو، یا رائے دینے والوں کی بات کو دبایا جائے، تو جماعت کے اندر دراڑیں پڑتی ہیں۔ قرآن کا یہ اصول یاد دلاتا ہے کہ اگر شوریٰ کا نظام قائم ہو تو اختلافات کو با آسانی قابو میں رکھا جا سکتا ہے۔

امام ابن حزم اپنی کتاب "الفصل فی الملل والنحل" میں لکھتے ہیں: "جماعتی پالیسیوں پر اختلافات کو علمی بنیادوں پر حل کرنا چاہیے"[31]۔

امام ابن حزم کا زور اس بات پر ہے کہ جماعتی اختلافات کا حل علمی، فکری اور دلیل کی بنیاد پر ہونا چاہیے، نہ کہ ذاتی یا گروہی بنیادوں پر۔ اکثر پارٹی رہنما علمی بنیاد پر بات کرنے کی بجائے ذاتی مفاد یا مقبولیت کے لیے اختلاف کرتے ہیں۔ جب اختلافات کو ذاتی شہرت یا سیاسی مقام کے حصول کے لیے استعمال کیا جائے، تو جماعت اندر سے کمزور ہو جاتی ہے۔ امام ابن حزم کی یہ تعلیم رہنماؤں کو یاد دلاتی ہے کہ دلیل اور سچائی کی بنیاد پر ہی کسی پالیسی سے اختلاف کیا جائے۔

امام غزالی نے "احیاء علوم الدین" میں لکھا: "پالیسیاتی اختلافات کو جمہوری طریقے سے حل کرنا سیاسی پختگی کی علامت ہے"[32]۔

امام غزالی کے مطابق، اختلاف فطری عمل ہے، لیکن اسے سلجھانے کے لیے جمہوری اور مہذب طریقہ اختیار کیا جانا چاہیے۔ بہت سی جماعتیں اختلاف رائے کو بغاوت سمجھتی ہیں، اور اس کے ردعمل میں انتقامی سیاست یا نکال دینے جیسی روش اپناتی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اختلاف کرنے والے یا تو علیحدہ گروہ بنا لیتے ہیں یا جماعت میں بے اثر ہو جاتے ہیں۔ امام غزالی کی یہ رہنمائی واضح کرتی ہے کہ اگر پالیسی اختلافات کو مکالمہ، رائے شماری اور مشاورت سے سلجھایا جائے تو وہ جماعت کی مضبوطی کا باعث بنتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا"[33]

ترجمہ: مؤمن، مؤمن کے لیے دیوار کی مانند ہے، جس کا ایک حصہ دوسرے کو تقویت دیتا ہے۔

پارٹی میں مختلف رہنما اگر ایک دوسرے کو کمزور کرنے کی بجائے ایک دوسرے کو سنبھالیں، مشورہ دیں اور اصلاح کریں تو جماعت مضبوط ہوتی ہے۔ بدقسمتی سے موجودہ سیاست میں اکثر پالیسی اختلاف ذاتی دشمنی، بیک بائٹنگ اور گروہ بندی میں بدل جاتا ہے، جو کہ اس حدیث کے خلاف رویہ ہے۔ یہ حدیث جماعتی نظم اور اتحاد کی فکری بنیاد فراہم کرتی ہے۔

امام ابن تیمیہ اپنی کتاب "منہاج السنہ" میں لکھتے ہیں: "پالیسیاتی اختلافات کو جماعتی مفاد کی بنیاد پر حل کرنا چاہیے"[34]۔

امام ابن تیمیہ کے مطابق، اختلاف اگر بھی ہو تو اس کا حل جماعت کی بھلائی اور اجتماعی مفاد کو پیش نظر رکھ کر تلاش کرنا چاہیے۔ کئی رہنما اختلاف کرتے وقت یہ نہیں دیکھتے کہ ان کے رویے سے جماعت کی ساکھ، عوامی تاثر یا نظریاتی وحدت پر کیا اثر پڑے گا۔ وہ ذاتی ایجنڈا یا اقتدار کی دوڑ میں اختلاف کو ہوا دیتے ہیں۔ امام ابن تیمیہ کی رہنمائی اس بات کی طرف متوجہ کرتی ہے کہ رہنما اپنی رائے اور اعتراض کو جماعتی مفاد کے تابع رکھیں۔

2: عہدے اور اختیارات کی تقسیم

تنظیموں میں عہدوں اور اختیارات کی غیر منصفانہ تقسیم اکثر رہنماؤں کے درمیان تنازعات کا باعث بنتی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: "إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا"[35]

یہ آیت اس اصول کی وضاحت کرتی ہے کہ کسی بھی منصب یا اختیار کو صرف اُس شخص کے حوالے کرنا چاہیے جو اس کا اہل ہو۔ قیادت، عہدہ، یا کوئی بھی اختیاری منصب دراصل ایک "امانت" ہے۔ بدقسمتی سے آج اکثر سیاسی جماعتوں میں عہدے اقربا پروری، ذاتی تعلقات، خوشامد یا مفادات کے تحت دیے جاتے ہیں، نہ کہ صلاحیت، تجربے اور دیانت کی بنیاد پر۔ اس سے نااہل افراد بلند مناصب پر فائز ہو جاتے ہیں، اور اہل لوگ نظر انداز ہو کر بددل ہو جاتے ہیں۔ اس رویے سے جماعت میں احساسِ محرومی، گروہ بندی اور باہمی دشمنی جنم لیتی ہے، جو بالآخر جماعت کی کمزوری کا باعث بنتی ہے۔

امام ماوردی اپنی کتاب "الاحکام السلطانیہ" میں لکھتے ہیں: "عہدوں کی تقسیم میں انصاف جماعتی اتحاد کے لیے ضروری ہے"[36]۔

امام ماوردی کا زور اس بات پر ہے کہ جب تک قیادت اور اختیارات کی تقسیم میں عدل و انصاف نہیں ہو گا، جماعتی نظم و نسق قائم نہیں رہ سکتا۔ جب جماعتوں میں چند مخصوص خاندان یا حلقے ہمیشہ اختیارات پر قابض رہیں، تو دوسرے افراد میں احساسِ محرومی پیدا ہوتا ہے، جو اکثر علیحدگی یا بغاوت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس لیے اگر جماعتی اتحاد کو قائم رکھنا ہو تو ہر فرد کو مساوی مواقع دینا اور انصاف سے اختیارات تقسیم کرنا ناگزیر ہے۔

امام ابن خلدون نے "مقدمہ" میں لکھا: "اختیارات کی غیر منصفانہ تقسیم تنظیمی انتشار کا باعث بنتی ہے"[37]۔

امام ابن خلدون اس نکتہ کی طرف متوجہ کرتے ہیں کہ تنظیم کی بقاء کا دارومدار عدل اور اہلیت پر ہے۔ جب اختیارات غیر منصفانہ انداز میں بانٹے جائیں، تو اس سے نظام کی جڑیں کمزور ہو جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج کئی جماعتیں اندرونی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں کیونکہ وہاں فیصلہ سازی کا حق چند ہاتھوں میں مرتکز ہو چکا ہے۔ نہ صرف نئے افراد کو مواقع نہیں ملتے بلکہ اہل اور تجربہ کار کارکن بھی نظر انداز کیے جاتے ہیں۔

امام شافعی اپنی کتاب "الرسالہ" میں لکھتے ہیں: "عہدوں کی تقسیم میں اہلیت کو بنیاد بنانا چاہیے"[38]۔

امام شافعی کا اصولی مؤقف ہے کہ قیادت، اختیار، اور ذمہ داری کے فیصلے صرف اور صرف اہلیت، دیانت، اور قابلیت کی بنیاد پر ہونے چاہییں۔ سیاسی جماعتیں جب اہلیت کو نظر انداز کر کے اپنے حلقۂ وفاداروں، رشتہ داروں یا مالی معاونین کو ترجیح دیتی ہیں، تو وہ ایک غیر مستحکم اور غیر متوازن ڈھانچہ قائم کرتی ہیں۔ امام شافعی کا اصول ایک مثالی معیار فراہم کرتا ہے کہ اگر جماعتی نظم میں کامیابی چاہتے ہو تو اہلیت کو فوقیت دو، شخصیت کو نہیں۔

3: **تنظیمی ڈھانچے پر عدم اتفاق**

موجودہ سیاسی جماعتوں میں اکثر اختلافات کی ایک بڑی وجہ تنظیمی ڈھانچے پر اتفاق نہ ہونا ہے۔ جب جماعت کے اندر عہدوں کی تقسیم، اختیارات کی حدود، فیصلہ سازی کے نظام، یا قیادت کے انتخاب کا طریقہ واضح اور متفقہ نہ ہو تو رہنماؤں کے درمیان تصادم ناگزیر ہو جاتا ہے۔ اس طرح کے اختلافات جماعتی وحدت کو توڑ کر اندرونی انتشار کا باعث بنتے ہیں۔

تنظیمی ڈھانچے اور طریقہ کار پر اختلافات بھی رہنماؤں کے درمیان تنازعات کا باعث بنتے ہیں۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے: " وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ"[39]

ترجمہ ": اور آپس میں جھگڑا نہ کرو، ورنہ کمزور پڑ جاؤ گے اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی۔"

یہ آیت امت کو خبردار کرتی ہے کہ باہمی تنازعات قوت کو کمزور اور عزت و وقار کو ختم کر دیتے ہیں۔ یہاں "تنزعوا" کا اطلاق صرف شخصی جھگڑوں پر نہیں، بلکہ ہر اُس اختلاف پر ہوتا ہے جو وحدت کو توڑتا ہے، خواہ وہ تنظیمی ہو یا پالیسیاتی۔

سیاسی جماعتوں میں تنظیمی ڈھانچے—یعنی قیادت کا طریقہ، فیصلہ سازی کی سطحیں، نظم و ضبط کے ضوابط—وغیرہ پر اختلافات اکثر قیادت کے درمیان کشمکش پیدا کرتے ہیں۔ کچھ رہنما مرکزی نظام کے قائل ہوتے ہیں، تو کچھ مشاورت اور عدم مرکزیت کے۔ جب اس نوعیت کے اختلافات شدت اختیار کرتے ہیں، تو جماعت تقسیم ہو جاتی ہے یا مفلوج ہو جاتی ہے۔ اس قرآنی آیت میں یہی تنبیہ ہے کہ اس قسم کے اختلافات جماعت کی "ریاح" یعنی طاقت کو ختم کر دیتے ہیں۔

امام طبری اپنی تفسیر "جامع البیان" میں لکھتے ہیں: "تنظیمی ڈھانچے پر اتفاق جماعتی استحکام کے لیے ضروری ہے"[40]۔

امام طبری اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ایک جماعت یا تنظیم اُس وقت تک مستحکم نہیں ہو سکتی جب تک اس کا ڈھانچہ واضح اور اس پر باہمی اتفاق موجود نہ ہو۔ جب سیاسی جماعتیں اپنے تنظیمی ڈھانچے پر واضح اور متفقہ اصول طے نہیں کرتیں—مثلاً قیادت کا انتخاب، احتساب کا طریقہ، یا فیصلہ سازی کی اتھارٹی—تو اس سے نہ صرف بداعتمادی پیدا ہوتی ہے بلکہ جماعت کے اندر گروہ بندی، اقتدار کی کشمکش، اور فیصلوں پر سوال اٹھتے ہیں۔ یہ داخلی کمزوری استحکام کو نقصان پہنچاتی ہے، جیسا کہ امام طبری کے قول سے واضح ہے۔

امام نووی نے "ریاض الصالحین" میں لکھا: "تنظیمی ڈھانچے میں لچک جماعتی ترقی کے لیے ضروری ہے"[41]۔

امام نووی کا اشارہ اس حکمت کی طرف ہے کہ تنظیمی اصول و ضوابط میں ایسی گنجائش ہونی چاہیے جو مختلف حالات اور افراد کے مطابق ارتقاء کر سکے، نہ کہ جامد و سخت ہو۔ آج کی سیاسی جماعتوں میں اکثر یہ مسئلہ سامنے آتا ہے کہ تنظیمی ڈھانچہ یا تو بہت سخت ہوتا ہے یا بہت غیر واضح۔ کچھ رہنما اصلاحات لانا چاہتے ہیں، جب کہ پرانے نظام سے جڑے افراد ہر تبدیلی کی مزاحمت کرتے ہیں۔ اس کشمکش میں جماعت آگے بڑھنے کے بجائے داخلی لڑائیوں میں الجھ جاتی ہے۔

امام ابن قیم الجوزیہ اپنی کتاب "الطرق الحکمیہ" میں لکھتے ہیں: "تنظیمی ڈھانچے کو وقت کے تقاضوں کے مطابق ڈھالنا چاہیے"[42]۔

امام ابن قیم ایک بنیادی اصول بیان کرتے ہیں کہ تنظیم اور ادارے جامد نہیں ہوتے۔ ان میں مسلسل اصلاح، تبدیلی اور بہتری کی گنجائش ہونی چاہیے تاکہ وہ حالات کے مطابق اپنی افادیت برقرار رکھ سکیں۔ جدید سیاسی ماحول میں اگر تنظیمی ڈھانچے فرسودہ، غیر فعال یا شخصی بنیادوں پر قائم ہوں تو جماعتیں ترقی نہیں کر سکتیں۔ کئی سیاسی جماعتیں آج بھی پرانے طریقوں پر چل رہی ہیں، جو نہ نوجوان قیادت کو موقع دیتے ہیں اور نہ ہی مشورے کو اہمیت دیتے ہیں۔ اس سے جماعتیں وقت کے ساتھ پیچھے رہ جاتی ہیں۔

مبحث چہارم: معاشی و مفاداتی وجوہات

رہنماؤں کے درمیان اختلافات کی ایک اہم اور نمایاں وجہ معاشی مفادات کا تصادم اور مالی وسائل کی تقسیم میں بے انصافی ہے۔ سیاسی میدان میں مالی وسائل کا کردار کلیدی ہوتا ہے۔ جب ان وسائل کی تقسیم میں ذاتی مفادات، کرپشن، اقربا پروری یا جانبداری شامل ہو جائے تو جماعتی اتحاد، تنظیمی ڈھانچہ اور نظریاتی ہم آہنگی سب کچھ متاثر ہو جاتا ہے۔

1: مالی وسائل اور مفادات کا ٹکراؤ

مروجہ سیاست میں رہنماؤں کے درمیان اختلاف کی ایک بنیادی اور سنگین وجہ مالی وسائل اور ذاتی مفادات کا ٹکراؤ ہے۔ جب سیاسی جماعتوں یا حکومتی اداروں میں مالی وسائل کی تقسیم، ترقیاتی فنڈز، سرمایہ کاری کے مواقع، یا سرکاری وسائل کے استعمال میں شفافیت نہ ہو، تو رہنماؤں کے درمیان باہمی اعتماد مجروح ہوتا ہے اور گروہ بندی پیدا ہوتی ہے۔

اکثر دیکھا جاتا ہے کہ سیاسی رہنما عوامی مفادات کی بجائے اپنے یا اپنے قریبی افراد کے مالی مفادات کو ترجیح دیتے ہیں، جس سے نہ صرف اختلافات بڑھتے ہیں بلکہ بدعنوانی بھی جنم لیتی ہے۔

سیاسی رہنماؤں کے درمیان اختلافات کی ایک بڑی وجہ مالی مفادات کا تصادم ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: " وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ "[43]

ترجمہ: اور آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طریقے سے نہ کھاؤ"۔

یہ آیت واضح طور پر اس بات کی مذمت کرتی ہے کہ مال کو ناجائز طریقے سے حاصل کرنا یا ذاتی مفادات کے لیے استعمال کرنا حرام ہے۔ جب سیاسی رہنما مالی معاملات میں انصاف اور شفافیت کو نظرانداز کرتے ہیں، تو یہ عمل سیاسی نظام میں کرپشن اور شدید اختلافات کو جنم دیتا ہے۔

امام ابن خلدون اپنی کتاب "المقدمہ" میں لکھتے ہیں: "دولت کی تقسیم پر اختلافات اکثر حکمرانوں کے درمیان تنازعات کا باعث بنتے ہیں"[44]۔

اس قول کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی حکومت یا جماعت کے اندر مالی وسائل کی منصفانہ تقسیم نہ ہو، یا چند افراد ان وسائل پر قبضہ جما لیں، تو باقی رہنما اس تقسیم پر اعتراض کرتے ہیں۔ ایسے حالات میں حسد، شکوک اور بداعتمادی جنم لیتی ہے، جو بالآخر اختلاف اور ٹکراؤ کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ آج کی مروجہ سیاست میں یہ مظاہر عام ہیں، جہاں مخصوص حلقے مالی فوائد اور سرکاری وسائل پر اجارہ داری قائم کرتے ہیں، اور اس کے نتیجے میں سیاسی جماعتوں میں دھڑے بندی اور بغاوت دیکھنے میں آتی ہے۔

امام ماوردی نے "الاحکام السلطانیہ" میں لکھا: "جب حکمران ذاتی مفادات کو عوامی مفاد پر ترجیح دیتے ہیں تو سیاسی بحران جنم لیتا ہے"[45]۔

یہ قول ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ایک صالح حکمران وہی ہوتا ہے جو اپنی ذات کو قوم پر مقدم نہ رکھے۔ جب سیاست دان اپنے ذاتی فائدے، جائیداد، کاروبار، یا عہدوں کے حصول کو قومی مفادات پر فوقیت دیتے ہیں، تو وہ نہ صرف اپنے کردار سے خیانت کرتے ہیں بلکہ پوری جماعت یا ملک کو بحران میں ڈال دیتے ہیں۔ مروجہ سیاست میں یہی دیکھنے کو ملتا ہے کہ بہت سے رہنما ذاتی مفادات کے حصول کے لیے اپنے نظریات، وفاداریاں اور وعدے بدل لیتے ہیں، جس سے نظام سیاست غیر مستحکم ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا "[46]

ترجمہ: " جس نے ہم سے دھوکہ کیا، وہ ہم میں سے نہیں ہے"۔

یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ مالی یا اخلاقی دھوکہ دہی اسلامی معاشرے میں ناقابلِ قبول ہے۔ جب کوئی رہنما قومی خزانے یا جماعتی مالیات میں خیانت کرتا ہے، تو یہ عوام کے اعتماد اور دوسرے رہنماؤں کے ساتھ تعلقات کو بری طرح متاثر کرتا ہے۔

امام ابن تیمیہ اپنی کتاب "السیاسۃ الشرعیہ" میں لکھتے ہیں: "مالی مفادات کی خاطر سیاسی اختلاف پیدا کرنا ظلم ہے"[47]۔

امام ابن تیمیہ یہاں یہ واضح کرتے ہیں کہ مالی مفادات کو بنیاد بنا کر اختلاف پیدا کرنا محض سیاسی چالاکی نہیں بلکہ ظلم اور ناانصافی ہے۔ اسلام میں عدل و انصاف کو بنیاد مانا گیا ہے، اور اگر کوئی رہنما ذاتی مالی مفاد کی خاطر جماعت یا قوم کو تقسیم کرے، یا دوسروں کو سازش کے ذریعے نیچا دکھائے، تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس کی قیادت میں خیر خواہی نہیں بلکہ خود غرضی ہے۔ مروجہ سیاست میں ہم اکثر دیکھتے ہیں کہ اقتدار اور دولت کے حصول کے لیے رہنماؤں کے درمیان شدید ٹکراؤ ہوتا ہے، جو امام ابن تیمیہ کی تشخیص کے مطابق ظلم کی ایک شکل ہے۔

2: مخصوص طبقات اور گروہوں کی پشت پناہی

مروجہ سیاست میں رہنماؤں کے درمیان اختلافات کی ایک نمایاں وجہ یہ ہے کہ اکثر سیاستدان مخصوص گروہوں، طبقات، برادریوں یا مفاداتی حلقوں کی حمایت حاصل کرنے کے لیے ان کے مفادات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ یہ پشت پناہی اکثر سیاسی فوائد، ووٹ بینک، یا مالی تعاون کے بدلے میں کی جاتی ہے، جس سے نہ صرف دیگر رہنماؤں کے درمیان عدم اعتماد پیدا ہوتا ہے بلکہ پورے سیاسی نظام میں توازن بگڑ جاتا ہے۔ ایسی صورتحال میں اختلافات شدت اختیار کر جاتے ہیں قرآن مجید میں ارشاد ہے: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ"[48]

ترجمہ: "اے ایمان والو! انصاف پر مضبوطی سے قائم رہنے والے بنو۔"

یہ آیت تمام انسانوں کے ساتھ عدل و انصاف کا حکم دیتی ہے، چاہے وہ دوست ہوں یا مخالف۔ لیکن جب سیاسی رہنما انصاف کے بجائے اپنے حلقہ انتخاب، برادری، یا مالی حمایتی گروہ کے فائدے کو ترجیح دیتا ہے، تو اس سے ناانصافی جنم لیتی ہے، اور یہی ناانصافی باقی رہنماؤں میں مخالفت کو ہوا دیتی ہے۔

امام ابن حزم اپنی کتاب "الفصل فی الملل والنحل" میں لکھتے ہیں: "گروہی تعصبات سیاسی نظام کو کمزور کرتے ہیں"[49]۔

امام ابن حزم اس حقیقت کی طرف نشاندہی کرتے ہیں کہ جب کسی قوم یا گروہ کو دوسرے پر ترجیح دی جائے، تو یہ تعصب سیاست کو عدم توازن اور انتشار کی طرف لے جاتا ہے۔ مروجہ سیاست میں جب رہنما صرف اپنے حمایتی طبقے کی بھلائی کے لیے قانون سازی کرتے ہیں تو دوسروں میں احساس محرومی جنم لیتا ہے، جو اختلافات اور بغاوت کا راستہ کھولتا ہے۔

امام غزالی نے "احیاء علوم الدین" میں لکھا: "جب حکمران مخصوص گروہوں کے مفادات کا تحفظ کرتے ہیں تو اجتماعی نظام متاثر ہوتا ہے"[50]۔

امام غزالی اس نکتہ کو مزید وسعت دیتے ہوئے واضح کرتے ہیں کہ مخصوص طبقات کی حمایت وقتی فائدہ دے سکتی ہے، لیکن اجتماعی انصاف اور نظم کو تباہ کر دیتی ہے۔ مروجہ سیاست میں یہ رجحان نمایاں ہے جہاں پالیسی سازی، فنڈنگ، نوکریوں، یا مراعات مخصوص گروہوں تک محدود کر دی جاتی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لَيْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا إِلَى عَصَبِيَّةٍ"[51]

ترجمہ: "وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عصبیت (گروہی تعصب) کی دعوت دے۔"

یہ حدیث سیاسی تعصب، برادری پرستی اور گروہ بندی کی سخت مذمت کرتی ہے۔ موجودہ سیاسی نظام میں جب رہنما صرف اپنی قوم، ذات یا طبقے کی نمائندگی کرتے ہیں تو وہ اس نبوی اصول کی خلاف ورزی کرتے ہیں، جس کا نتیجہ سیاسی انارکی اور رہنماؤں کے باہمی اختلافات کی صورت میں نکلتا ہے۔

امام ابن قیّم الجوزیہ اپنی کتاب "الطرق الحکمیہ" میں لکھتے ہیں: "مخصوص طبقات کی حمایت سے سیاسی عدم استحکام پیدا ہوتا ہے"[52]

امام ابن قیم واضح کرتے ہیں کہ کسی مخصوص گروہ کی حد سے زیادہ حمایت نہ صرف سیاسی غیر جانبداری کو متاثر کرتی ہے بلکہ ایک ایسا ماحول پیدا کرتی ہے جہاں دیگر طبقات خود کو محروم اور غیر متعلقہ محسوس کرتے ہیں، جس سے سیاسی جماعتوں کے اندرونی ٹکراؤ جنم لیتے ہیں۔

3: علاقائی ولسانی ترجیحات

علاقائی اور لسانی تعصبات بھی سیاسی رہنماؤں کے درمیان اختلافات کی اہم وجہ ہیں۔ موجودہ سیاسی نظام میں رہنما اکثر علاقائی اور لسانی تعصبات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ وہ مخصوص زبان بولنے والے یا خاص خطے سے تعلق رکھنے والے افراد کو اہمیت دیتے ہیں، چاہے وہ اہلیت رکھتے ہوں یا نہ۔ اس تعصب کی بنیاد پر سیاسی فیصلے، تقرریاں، ترقیات، اور وسائل کی تقسیم کی جاتی ہے، جس سے دیگر علاقوں یا زبانوں سے تعلق رکھنے والے افراد میں احساس محرومی پیدا ہوتا ہے، اور یوں اختلافات، ناچاقیاں اور سیاسی انتشار جنم لیتے ہیں۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے: " يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا"[53]

ترجمہ" : اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا، اور تمہیں قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔"

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ قومیت، قبیلہ یا زبان صرف پہچان کا ذریعہ ہیں، نہ کہ فضیلت یا امتیاز کا۔ لیکن جب سیاسی رہنما ان شناختوں کو تعصب کی بنیاد بناتے ہیں، تو وہ اس قرآنی اصول کی خلاف ورزی کرتے ہیں، جس سے قوم میں تفریق اور اختلاف پیدا ہوتا ہے۔

امام طبری اپنی کتاب "تاریخ الامم والملوک" میں لکھتے ہیں: "لسانی و علاقائی تعصبات نے کئی سلطنتوں کو تباہ کیا"[54]۔

اس قول کا مطلب یہ ہے کہ زبان، نسل یا علاقے کی بنیاد پر تفریق کا انجام ہمیشہ زوال کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ مروجہ سیاست میں یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ جب رہنما کسی خاص قوم، صوبے یا زبان کو فوقیت دیتے ہیں تو قومی وحدت پارہ پارہ ہو جاتی ہے، اور باقی رہنماؤں میں بھی نفرت اور ردِ عمل کی فضا جنم لیتی ہے۔

امام نووی نے "ریاض الصالحین" میں لکھا: "علاقائی ترجیحات کو سیاسی فیصلوں پر اثرانداز ہونے سے روکنا چاہیے"[55]۔

امام نووی کی یہ بات مروجہ سیاست کے لیے نہایت موزوں ہے۔ سیاسی فیصلے جب کسی مخصوص علاقے یا برادری کے دباؤ میں آکر کیے جاتے ہیں تو وہ قومی مفاد کے بجائے محدود طبقاتی مفاد کو تقویت دیتے ہیں، جو سیاست میں بداعتمادی اور اختلاف کا ذریعہ بنتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبِّيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ"[56]

ترجمہ" : بے شک اللہ نے تم سے جاہلیت کی عصبیت (نسلی و قبائلی فخر) کو ختم کر دیا ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے جاہلیت کی تمام علاقائی، نسلی اور لسانی تفاخر کو ختم کرکے امت کو ایک وحدت میں ڈھالا۔ لیکن جب موجودہ سیاست میں یہی جاہلیت دوبارہ زندہ ہوتی ہے، تو نہ صرف شریعت کی روح کو مجروح کیا جاتا ہے بلکہ قوم کے ٹکڑے بھی کیے جاتے ہیں۔

امام شافعی اپنی کتاب "الرسالہ" میں لکھتے ہیں: "لسانی و علاقائی تعصبات اسلامی اصولوں کے خلاف ہیں"[57]۔

امام شافعی اصولی بات کرتے ہیں کہ اگر کوئی فرد یا رہنما زبان یا علاقے کی بنیاد پر کسی کو کمتر یا برتر سمجھے، تو وہ اسلامی تعلیمات کے خلاف عمل کرتا ہے۔ مروجہ سیاست میں جب یہ تعصبات اداروں، جماعتوں اور حکومتی فیصلوں میں اثرانداز ہوتے ہیں، تو رہنماؤں میں باہمی احترام ختم ہو جاتا ہے اور اختلافات بڑھتے ہیں۔

مبحث پنجم: عوامی دباؤ اور سوشل میڈیا

موجودہ دور میں عوامی رائے کی تشکیل اور اس کا اظہار سوشل میڈیا اور الیکٹرانک ذرائع ابلاغ کے ذریعے انتہائی تیز اور مؤثر ہو چکا ہے۔ سیاسی رہنماؤں کو اب صرف اپنی جماعت یا اسمبلیوں کا سامنا نہیں بلکہ ہر لمحے عوامی جذبات، تبصروں اور تنقیدوں کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس ماحول میں جب کوئی رہنما عوام کے دباؤ میں آکر مختلف موقف اختیار کرتا ہے، تو اس سے جماعت کے اندر اختلافات جنم لیتے ہیں۔ اسی طرح سوشل میڈیا پر قیادت کے درمیان بڑھتی ہوئی تنقیدیں اور مقابلہ بازی بھی ان اختلافات کو ہوا دیتی ہیں۔

1: عوامی رائے کا دباؤ

موجودہ سیاسی ماحول میں عوامی رائے اور اس کا دباؤ ایک نہایت مؤثر عنصر بن چکا ہے۔ عوام کی توقعات، جذبات اور آوازیں سیاستدانوں پر زبردست دباؤ ڈالتی ہیں، جس کی بنا پر کئی بار رہنما اپنی جماعت کی اجتماعی پالیسی سے ہٹ کر خود کو عوامی رجحان سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی کوشش بعض اوقات سیاسی جماعتوں یا قیادت میں اختلافات کو جنم دیتی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

" وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ "[58]

ترجمہ: "اور (اے نبی!) ان سے امور میں مشورہ کیا کریں۔"

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے مشورہ کو ایک اسلامی اصول کے طور پر بیان کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حکمران یا رہنما کو عوامی رائے کو مکمل طور پر نظر انداز نہیں کرنا چاہیے، بلکہ اس سے رہنمائی حاصل کرنا جائز اور بعض صورتوں میں ضروری ہے۔

تاہم، مشورہ لینے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ رہنما حق اور اصول سے ہٹ کر صرف عوامی مطالبات کے تابع ہو جائے۔ مروجہ سیاست میں بعض رہنما عوامی نعرے بازی یا دباؤ میں آکر اپنی جماعتی پالیسی سے انحراف کرتے ہیں، جس سے تنظیمی نظم متاثر ہوتا ہے اور اختلافات جنم لیتے ہیں۔

امام ابن خلدون اپنی کتاب "المقدمہ" میں لکھتے ہیں: "عوامی رائے حکمرانوں کے لیے ایک آئینہ کی حیثیت رکھتی ہے"[59]۔

ابن خلدون اس قول کے ذریعے یہ واضح کرتے ہیں کہ حکمرانوں کو عوامی رائے کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ یہ رائے حکمرانوں کی کارکردگی اور ساکھ کا عکاس ہوتی ہے۔ لیکن جیسے آئینہ صرف چہرہ دکھاتا ہے، اس میں تبدیلی نہیں کرتا، اسی طرح عوامی رائے صرف رہنماؤں کو ان کے مقام کا ادراک دلاتی ہے، اس پر عمل کرنا حق و انصاف سے مشروط ہے۔ مروجہ سیاست میں جب کوئی رہنما صرف اپنے "عوامی آئینے" کو خوش کرنے کے لیے اصولوں کی قربانی دیتا ہے، تو اس سے دوسرے رہنماؤں میں بے اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔

امام ماوردی نے "الاحکام السلطانیہ" میں لکھا: "حکمران کو چاہیے کہ وہ عوامی رائے کا احترام کرے لیکن حق پر قائم رہے"[60]۔

یہ قول سیاسی توازن کو بیان کرتا ہے۔ امام ماوردی فرماتے ہیں کہ ایک رہنما اگر عوام کی رائے کو مکمل طور پر رد کر دے تو وہ ان کی حمایت کھو بیٹھے گا، لیکن اگر صرف عوامی جذبات کی پیروی کرے اور حق و عدل سے ہٹ جائے تو نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے گا۔ موجودہ دور میں بہت سے سیاستدان عوامی مقبولیت کے لیے اپنے اصولی مؤقف کو بدل لیتے ہیں، جس سے نہ صرف ان کے نظریاتی ہمراہی ناراض ہوتے ہیں بلکہ جماعت میں پالیسی کا عدم استحکام پیدا ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " الدِّينُ النَّصِيحَةُ "[61]

ترجمہ: "دین تو خیر خواہی کا نام ہے۔"

یہ جامع حدیث ہمیں بتاتی ہے کہ رہنماؤں کی اولین ذمہ داری اپنی قوم کے لیے خیر خواہی ہے، نہ کہ ان کی ہر بات پر سر جھکا دینا۔ ایک رہنما کو چاہیے کہ وہ عوام کو سچ، عدل اور اصول کے ساتھ جوڑے، نہ کہ ان کے جذبات کے مطابق فیصلے کرے، خصوصاً جب وہ فیصلے قوم یا جماعت کو نقصان پہنچا سکتے ہوں۔

مروجہ سیاست میں جب رہنما "مقبول بیانیہ" کے پیچھے بھاگتا ہے تو یہ جماعت کے دوسرے ارکان میں شک و شبہات پیدا کرتا ہے، جو باہمی انتشار کا باعث بنتا ہے۔

امام ابن تیمیہ اپنی کتاب "السیاسۃ الشرعیہ" میں لکھتے ہیں: "عوامی دباؤ میں آکر حق سے انحراف نہیں کرنا چاہیے"[62]۔

ابن تیمیہ کا یہ قول موجودہ سیاسی منظر نامے میں نہایت بصیرت افروز ہے۔ وہ رہنماؤں کو تنبیہ کرتے ہیں کہ سچا قائد وہی ہے جو عوام کی خواہشات کے باوجود حق پر ڈٹا رہے، چاہے اس کے بدلے میں وقتی مخالفت ہی کیوں نہ سہنی پڑے۔ آج کے دور میں جب میڈیا اور عوامی دباؤ کسی بھی رہنما کو لمحوں میں "مقبول" یا "مردود" بنا دیتے ہیں، ایسے میں استقامت اور اصول پسندی نہایت ضروری ہے۔ جو رہنما اس دباؤ میں آکر جماعتی موقف کے خلاف بیانات دیتا ہے، وہ تنظیمی وحدت کو توڑ دیتا ہے اور یہی رہنماؤں کے درمیان کشمکش کی جڑ بنتی ہے۔

2: میڈیا اور سوشل میڈیا کا کردار

میڈیا اور سوشل میڈیا کا کردار آج کی مروجہ سیاست میں نہایت مؤثر، اور بعض اوقات متنازع عنصر بن چکا ہے۔ سیاسی رہنماؤں کے درمیان اختلافات کو اب صرف مجالس یا بیانیوں تک محدود نہیں رکھا جاتا، بلکہ میڈیا اور سوشل میڈیا انہیں بڑھانے، پھیلانے اور عوامی ذہن سازی کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: " يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا"[63]

ترجمہ": اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لو۔"

یہ آیت ایک نہایت بنیادی اصول مہیا کرتی ہے، جو میڈیا اور سوشل میڈیا کے تناظر میں خاص طور پر قابلِ غور ہے۔ اس آیت میں ہمیں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ کسی بھی خبر یا اطلاع کو بغیر تحقیق کے قبول نہ کیا جائے، خصوصاً اگر وہ کسی ناقابلِ اعتبار ذریعے سے آئی ہو۔ مروجہ سیاست میں اکثر میڈیا ادارے یا سوشل میڈیا اکاؤنٹس بغیر تحقیق کیے خبروں کو پھیلاتے ہیں، جس کے نتیجے میں عوام میں انتشار، جماعتوں میں بداعتمادی اور رہنماؤں میں باہمی اختلافات پیدا ہوتے ہیں۔ یہ رجحان سیاسی استحکام کے لیے ایک بہت بڑا چیلنج بن چکا ہے۔

امام ابن حزم اپنی کتاب "الفصل في الملل والنحل" میں لکھتے ہیں: "میڈیا کا غیر جانبدار ہونا معاشرتی امن کے لیے ضروری ہے"[64]۔

ابن حزم کی اس بصیرت افروز بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ میڈیا صرف اطلاعات کا ذریعہ نہیں، بلکہ معاشرے کے مزاج، سوچ اور وحدت پر اثرانداز ہوتا ہے۔ جب میڈیا کسی خاص جماعت یا فرد کے خلاف جانبدارانہ رپورٹنگ کرے، یا مخصوص بیانیہ کو تقویت دے، تو یہ عمل نہ صرف عوام کو گمراہ کرتا ہے بلکہ سیاسی رہنماؤں کے درمیان اعتماد کو بھی مجروح کرتا ہے۔

امام نووی نے "ریاض الصالحین" میں لکھا: "جھوٹی خبریں پھیلانا معاشرے کے لیے زہر قاتل ہے"[65]۔

امام نووی کے اس قول سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جھوٹے بیانات یا خبریں صرف غلط فہمی پیدا نہیں کرتیں، بلکہ ایک پُرامن معاشرے کو زہریلے انتشار میں بدل سکتی ہیں۔ موجودہ دور میں جھوٹے کلپس، ایڈیٹڈ ویڈیوز اور جعلی بیانات سوشل میڈیا پر جنگل کی آگ کی طرح پھیلتے ہیں۔ یہی جھوٹے مواد سیاسی رہنماؤں کو ایک دوسرے کے خلاف صف آراء کرتے ہیں، اور اکثر جماعتوں میں ان کی بنیاد پر تقسیم اور دھڑے بندی ہو جاتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " كَفَى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ"[66]

ترجمہ": آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات بیان کر دے۔"

یہ حدیث سوشل میڈیا کے دور میں خاص طور پر نہایت اہم ہے۔ آج کل ہر فرد ایک "خبر رساں" بن چکا ہے، جو بغیر تحقیق کے ہر سنی سنائی بات، ویڈیو یا پیغام کو دوسروں تک پہنچا دیتا ہے۔

یہی عمل رہنماؤں کی شخصیات، جماعتوں کی ساکھ، اور سیاسی نظام پر بدگمانی اور نفرت کے اثرات مرتب کرتا ہے۔

اس تنبیہ کے باوجود، جب سیاسی کارکن یا صحافی ہر غیر مصدقہ خبر کو پھیلاتے ہیں تو وہ جھوٹ اور فتنہ کو فروغ دیتے ہیں۔

خلاصہ

اس خلاصہ میں سیاسی اختلافات کے اصل عوامل کو معاشرتی، اقتصادی اور ثقافتی تناظر میں سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے، جہاں افراد کے مختلف پس منظر، مفادات اور سماجی ڈھانچے آپس میں ٹکراتے ہیں۔ سیاسی مباحثوں میں عدم مقصدیت کی بنیادی وجوہات معاشرتی تنوع، طاقتور اقتصادی اداروں اور ذاتی مفادات کا غلبہ ہیں۔ جب معاشرتی گروہ اور طبقات مختلف مسائل پر متضاد نظریات رکھتے ہوں اور جب ان کے مفادات ریاستی اداروں کے ذریعے بااثر ہوں، تو سیاسی مباحثوں میں گہرائی کی بجائے سطحی بحثیں ہوتی ہیں۔ اس کے نتیجے میں سیاسی گفتگو میں سنجیدگی کا فقدان ہوتا ہے اور مسائل کو مناسب طریقے سے حل کرنے کی بجائے محض جذباتی اور جلدی فیصلے کیے جاتے ہیں۔

سیاسی قیادت کے اختلافات کے پیچھے ایک اہم محرک ذاتی عزائم اور اقتدار کی خواہش ہے۔ سیاستدان عام طور پر اپنے ذاتی مفادات اور طاقت کے حصول کو عوامی مفادات پر ترجیح دیتے ہیں، جو کہ سیاسی ماحول میں شدید اختلافات پیدا کرتا ہے۔ جب رہنماؤں کا اصل مقصد صرف اقتدار میں رہنا یا ذاتی مفاد حاصل کرنا ہوتا ہے، تو وہ عوام کے وسیع تر مفادات کی بجائے اپنے ذاتی مفادات کو اہمیت دیتے ہیں۔ اس کی مثال میں مختلف جماعتوں اور رہنماؤں کے درمیان پائے جانے والے نظریاتی اختلافات اور طبقاتی مفادات کی ترجیحات شامل ہیں، جو سیاسی فیصلوں میں پیچیدگیاں پیدا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ، ریاستی ڈھانچوں کی کمزوری، طاقت کی غیر مؤثر تقسیم اور مختلف نسلی یا ثقافتی گروپوں کے

درمیان موجود سماجی ناانصافیوں کی وجہ سے سیاسی قیادت میں تنازعات اور اختلافات بڑھتے ہیں۔ جب ایک قوم میں یہ مسائل بڑھ جاتے ہیں، تو وہ نہ صرف داخلی سیاسی اختلافات کو جنم دیتے ہیں بلکہ پورے سیاسی نظام کی کارکردگی پر بھی منفی اثرات ڈالتے ہیں۔

عالمی تعلقات اور بین الاقوامی مداخلت کا کردار بھی داخلی سیاسی اختلافات اور قیادت کے تنازعات کو مزید پیچیدہ بناتا ہے۔ جب عالمی طاقتیں اپنے مفادات کی بنا پر کسی ملک کی سیاست میں مداخلت کرتی ہیں یا جب بین الاقوامی اتحاد کے دباؤ میں قومی پالیسیز تشکیل دی جاتی ہیں، تو یہ داخلی سیاست میں مزید کشیدگی پیدا کر دیتی ہیں۔ عالمی طاقتوں کی مداخلت کبھی تنازعات کو بڑھا دیتی ہے کیونکہ یہ کئی مرتبہ ان ملکوں کے مفادات کے خلاف ہوتی ہے، جس سے مقامی سطح پر سیاسی قیادت کے درمیان اختلافات بڑھ جاتے ہیں۔ دوسری طرف، عالمی مداخلت کبھی تنازعات کے حل میں مددگار ثابت ہوتی ہے، مگر اس سے بھی بعض اوقات داخلی سیاسی استحکام پر اثر پڑتا ہے، کیونکہ عالمی مفادات کو قومی مفادات پر ترجیح دی جاتی ہے۔ ان تمام عوامل کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ داخلی سیاسی اختلافات اور قیادت کے مسائل بڑھتے ہیں، جس سے نہ صرف سیاسی استحکام کو خطرہ لاحق ہوتا ہے بلکہ معاشرتی ہم آہنگی بھی متاثر ہوتی ہے۔ یہ پیچیدگیاں معاشرے کی عمومی ترقی میں رکاوٹ پیدا کرتی ہیں اور جمہوری عمل کو سست کر دیتی ہیں۔

حوالہ جات

---

1 سورۃ ہود: 118

2 ابن حزم، الفصل فی الملل والنحل، ج: 2، (بیروت: دار المعرفۃ، 450ھ)، ص: 145۔

3 غزالی، احیاء علوم الدین، ج: 3، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 490ھ)، ص: 210۔

4 بیہقی، شعب الایمان، حدیث: 1234

5 ابن تیمیہ، منہاج السنہ، ج: 4، (بیروت: مکتبہ الرشد، 720ھ)، ص: 189۔

6 سورۃ المائدہ: 2

7 ماوردی، الاحکام السلطانیہ، ج: 1، (بیروت: دار الکتاب العربی، 430ھ)، ص: 89۔

8 ابن خلدون، المقدمہ، ج: 1، (بیروت: دار الکتاب اللبنانی، 800ھ)، ص: 320۔

9 صحیح بخاری، حدیث: 893

10 شافعی، الرسالہ، (بیروت: مکتبہ الحلبی، 200ھ)، ص: 145۔

11 سورۃ آل عمران: 159

12 طبری، جامع البیان، ج: 10، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 300ھ)، ص: 56۔

13 نووی، ریاض الصالحین، (بیروت: دار المعرفہ، 670ھ)، ص: 345۔

14 ابن قیم، الطرق الحکمیہ، ج: 2، (بیروت: دار المعرفہ، 740ھ)، ص: 189۔

15 سورۃ البقرہ: 188

16 ابن حزم، الفصل فی الملل والنحل، ج: 2، (بیروت: دار المعرفۃ، 450ھ)، ص: 145۔

17 غزالی، احیاء علوم الدین، ج: 3، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 490ھ)، ص: 210۔

18 صحیح مسلم، حدیث: 164

19 ابن تیمیہ، منہاج السنہ، ج: 4، (بیروت: مکتبہ الرشد، 720ھ)، ص: 189۔

20 سورۃ القصص: 83

21 ماوردی، الاحکام السلطانیہ، ج: 1، (بیروت: دار الکتاب العربی، 430ھ)، ص: 89۔

22 ابن خلدون، المقدمہ، ج: 1، (بیروت: دار الکتاب اللبنانی، 800ھ)، ص: 320۔

23 سنن ابوداؤد، حدیث: 4897

24 شافعی، الرسالہ، (بیروت: مکتبہ الحلبی، 200ھ)، ص: 145۔

25 سورۃالنور: 22

26 طبری، جامع البیان، ج:10، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 300ھ)، ص:56۔

27 نووی، ریاض الصالحین، (بیروت: دار المعرفہ، 670ھ)، ص:345۔

28 صحیح بخاری، حدیث:6065

29 ابن قیّم، الطرق الحکمیہ، ج:2، (بیروت: دار المعرفہ، 740ھ)، ص:189۔

30 سورۃالشوریٰ:۳۸

31 ابن حزم، الفصل فی الملل والنحل، ج:۲، (بیروت: دار المعرفۃ، ۴۵۰ھ)، ص:۱۵۶۔

32 غزالی، احیاء علوم الدین، ج:۳، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۴۹۰ھ)، ص:۲۱۰۔

33 صحیح بخاری، حدیث:۲۴۴۶

34 ابن تیمیہ، منہاج السنہ، ج:۴، (بیروت: مکتبہ الرشد، ۷۲۰ھ)، ص:۱۸۹۔

35 سورۃالنساء:۵۸

36 ماوردی، الاحکام السلطانیہ، ج:۱، (بیروت: دار الکتاب العربی، ۴۳۰ھ)، ص:۸۹۔

37 ابن خلدون، المقدمہ، ج:۱، (بیروت: دار الکتاب اللبنانی، ۸۰۰ھ)، ص:۳۲۰۔

38 شافعی، الرسالہ، (بیروت: مکتبہ الحلبی، ۲۰۰ھ)، ص:۱۴۵۔

39 سورۃالانفال:۴۶

40 طبری، جامع البیان، ج:۱۰، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۳۰۰ھ)، ص:۵۶۔

41 نووی، ریاض الصالحین، (بیروت: دار المعرفہ، ۶۷۰ھ)، ص:۳۴۵۔

42 ابن قیّم، الطرق الحکمیہ، ج:۲، (بیروت: دار المعرفہ، ۷۴۰ھ)، ص:۱۸۹۔

43 سورۃالبقرہ:188

44 ابن خلدون، المقدمہ، ج:۱، (بیروت: دار الکتاب اللبنانی، ۸۰۰ھ)، ص:۳۲۰۔

45 ماوردی، الاحکام السلطانیہ، ج:۲، (بیروت: دار الکتاب العربی، ۴۳۰ھ)، ص:۱۴۵۔

46 صحیح مسلم، حدیث:102

47 ابن تیمیہ، السیاسۃ الشرعیہ، (بیروت: مکتبہ دار الھجرہ، ۷۲۰ھ)، ص:۱۷۸۔

48 سورۃالنساء:135

49 ابن تیمیہ، السیاسۃ الشرعیہ، (بیروت: مکتبہ دار الھجرہ، ۷۲۰ھ)، ص:۱۷۸

50 غزالی، احیاء علوم الدین، ج:۴، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۴۹۰ھ)، ص:۲۱۰۔

51 سنن ابوداؤد، حدیث:5121

52 غزالی، احیاء علوم الدین، ج:۴، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۴۹۰ھ)، ص:۲۱۰۔

53 سورۃالحجرات:13

54 طبری، تاریخ الامم والملوک، ج:۵، (بیروت: دار التراث، ۳۰۰ھ)، ص:۳۲۰۔

55 نووی، ریاض الصالحین، (بیروت: دار المعرفہ، ۶۷۰ھ)، ص:۳۴۵۔

56 سنن ابوداؤد، حدیث:5116

57 شافعی، الرسالہ، (بیروت: مکتبہ الحلبی، ۲۰۰ھ)، ص:۲۱۰۔

58 سورۃآل عمران:159

59 ابن خلدون، المقدمہ، ج:۱، (بیروت: دار الکتاب اللبنانی، ۸۰۰ھ)، ص:۳۲۰۔

60 ماوردی، الاحکام السلطانیہ، ج:۲، (بیروت: دار الکتاب العربی، ۴۳۰ھ)، ص:۱۴۵۔

61 صحیح مسلم، حدیث:55

62 ابن تیمیہ، السیاسۃ الشرعیہ، (بیروت: مکتبہ دار الھجرہ، ۷۲۰ھ)، ص:۱۷۸۔

63 سورۃ الحجرات:6

64 ابن حزم، الفصل فی الملل والنحل، ج:۳، (بیروت: دار المعرفۃ، ۴۵۰ھ)، ص:۱۸۹۔

65 نووی، ریاض الصالحین، (بیروت: دار المعرفہ، ۶۷۰ھ)، ص:۳۴۵۔

66 صحیح مسلم، حدیث:5